سلسلہ تقاریر "تعارف الکتاب"

ڈاکٹر اسرار احمد

وَاِذَا سَمِعُوْا

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰٓی اَعْیُنَھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰھِدِیْنَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ یُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِیْنَ ۝ (المائدہ: ۸۴)

قرآن مجید کا ساتواں پارہ "وَاِذَا سَمِعُوْا" کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں ابتداءً سورۃ المائدہ کی اڑتیس آیات شامل ہیں اور اس کے بعد سورۃ الانعام شروع ہوتی ہے۔ اس کی کل ایک سو پینسٹھ آیات میں سے ایک سو دس آیات اس پارے میں وارد ہوئی ہیں۔ سورۃ المائدہ کے بارے میں عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ احکامِ شریعت کی تکمیلی سورہ ہے۔ چنانچہ اس میں شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تکمیلی احکام وارد ہوتے ہیں۔ جو حصّہ اس ساتویں پارے میں شامل ہے اس میں بھی احرام کی حالت میں شکار کر لینے پر جو سزا یا کفّارہ معیّن کیا گیا ہے اس کا بیان آیا ہے، قسم توڑنے کے کفارے کا بیان ہوا ہے اور شراب اور جوئے کے بارے میں بھی آخری حرمت کا حکم نازل ہوا ہے۔

اس شراب اور جوئے کی آخری حرمت کے حکم پر بعض مسلمانوں کو تشویش ہوئی کہ جو لوگ اس سے پہلے اس حرام چیز سے شغل کرتے رہے اور اسی حالت میں انھوں نے نمازیں بھی پڑھیں

ان کی نمازوں کا کیا بنے گا؟ یہ تشویش بالکل اسی طرح کی تھی جس طرح کی تشویش مسلمانوں کو تحویلِ قبلہ کے بعد لاحق ہوئی تھی کہ سولہ سترہ مہینے تک ہم جو نمازیں بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے پڑھتے رہے اب ان نمازوں کا کیا ہو گا؟ روحِ دین کے اعتبار سے اس ضمن میں بڑی اہم بات واضح کی گئی کہ دین میں اصل چیز تو تقویٰ ہے۔ یعنی خدا کا خوف، مسئولیت کا احساس، اللہ کے حضور میں حاضری اور اس کے سامنے پیش ہونے سے ڈرتے رہنا اور اس کے احکام کو توڑنے سے بچتے رہنا، جس کو ہم فی الجملہ تقویٰ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ دین کی اصل روح یہ ہے۔ اگر پہلے تکمیلی احکام نازل نہیں ہوئے تھے اور اس وجہ سے مسلمانوں کی طرف سے بھی کوئی کمی ہوتی رہی تھی تو اس سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ فرمایا گیا: اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (المائدہ: ۹۳) تقویٰ اگر ہے تو روحِ تقویٰ انسان کو ایمان کے راستے پر گامزن رکھتی ہے، ایمان میں انسان بڑھتا چلا جاتا ہے، اعمال میں بھی تدریجاً ترقی کرتا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ مقامِ احسان پر فائز ہو جاتا ہے۔ تو یہ روحِ تقویٰ وہ ہے جو انسان کو آخری منزل تک پہنچا سکتی ہے۔ اور یہی مقامِ احسان ہے کہ جو اللہ کی پسندیدگی کا مقام ہے۔ اللہ کو محسنین بہت پسند ہیں۔

اہل کتاب سے خطاب کے ضمن میں سورۃ المائدہ کے آخر میں ایک بڑی عجیب بات بیان ہوئی ہے کہ قیامت میں جب اُمتوں کا محاسبہ ہو گا تو ان کے ساتھ ہی ان کے انبیاء و رُسل سے بھی پرسش ہو گی۔ یہ بات آگے چل کر سورۃ الاعراف میں بھی بہت واضح انداز میں ہو گی: فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ (آیت ۶) "ہم ان سے بھی پوچھیں گے کہ جن کی طرف ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا اور ہم پوچھیں گے خود رسولوں سے بھی"۔ چنانچہ قیامت میں اللہ تعالیٰ حضرت مسیح علیہ السلام سے سوال فرمائیں گے: ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ (المائدہ: ۱۱۶) یعنی "اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے کہا تھا لوگوں سے کہ مجھے اور میری ماں کو بھی اللہ کے سوا معبود بنا لینا؟" اور حضرت مسیح علیہ السلام انتہائی لجاجت سے

جواب دیں گے کہ "اے اللہ! میرے لیے کیسے ممکن تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے حق نہیں ہے۔ اگر میں نے کہا ہوتا تو وہ تیرے علم میں ہوتی"۔ اس سے اشارہ کیا گیا اس بات کی طرف کہ امتوں کی گمراہیوں کے سبب قیامت کے دن ان کے انبیاء و رسل کو شرمندگی کا سامنا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کرنا ہوگا۔

اس کے بعد قرآن حکیم میں سورۃ الانعام شروع ہوتی ہے۔ مصحف میں یہ پہلی طویل مکی سورۃ ہے۔ قرآن مجید میں سب سے پہلے سورۃ الفاتحہ ہے، جو مکی ہے۔ اس کے بعد چار طویل ترین مدنی سورتیں ہیں۔ اور اس کے بعد دو سورتیں مکی ہیں۔ سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف۔ اور یہ ہر اعتبار سے مکی سورتوں کے ایک انتہائی حسین و جمیل جوڑے کی صورت میں قرآن مجید میں وارد ہوئی ہیں۔ ان دونوں میں مضامین کی ترتیب بہت عجیب ہے۔ دونوں میں اصل خطاب کا رُخ مشرکینِ عرب سے بالعموم اور قریشِ مکہ سے بالخصوص ہے۔ ان کی گمراہیوں پر، ان کے شرک پر، دینِ ابراہیمی میں جو بدعات انہوں نے جاری کر دی تھیں ان پر سختی کے ساتھ گرفت کی گئی ہے، انہیں توحید کی تعلیم دی گئی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ البتہ سورۃ الانعام میں اس ساری گفتگو کا دار و مدار امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے الفاظ میں "التذکیر بآلاء اللہ" پر ہے۔ یعنی اللہ کی نعمتوں کے حوالے سے توحید کا بیان، اللہ کے احسانات، آفاق و انفس میں اس کی توحید کی نشانیاں، اس کی کمالِ صفات کے شواہد، جو ہر طرح ہر طرف موجود ہیں، ان کے حوالے سے اس میں شرک کی مذمت اور توحید کی دعوت ہے۔

اس ضمن میں امام الموحدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بڑی تفصیل کے ساتھ بیان ہوا۔ واضح رہنا چاہیے کہ بالعموم جمیع اہلِ عرب اور بالخصوص قریشِ مکہ اس بات کے مدعی تھے کہ وہ دینِ ابراہیمی پر ہیں، بلکہ وہ نسلاً بھی اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی سے وابستہ سمجھتے تھے۔ جہاں تک قریشِ مکہ کا تعلق تھا اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ چنانچہ اس سورۂ مبارکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر دونوں اعتبارات سے اہمیت

کا حامل ہے۔ اس پہلو سے بھی کہ وہ علی الاطلاق پوری نوعِ انسانی کے اعتبار سے بڑے اہم مقام و مرتبہ پر فائز ہیں. علامہ اقبال نے جو فرمایا ہے کہ ؂

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے!
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

تو واقعہ یہ ہے کہ پوری نسل انسانی کی تاریخ میں توحید کے اعتبار سے امام الناس ابوالانبیاء اور خلیل اللہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ التحیۃ والسلام کا بڑا بلند مقام ہے۔ اس سورۂ مبارکہ میں ان کی اس حجت کا ذکر ہے جس کا حوالہ خود اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں دیا: وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ (الانعام: ۸۳) "یہ ہماری وہ حجت ہے جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اس کی قوم کے مقابلے میں عطا فرمائی۔ چونکہ ان کی قوم سورج کی پرستش کرتی تھی، چاند کی پرستش کرتی تھی، ستاروں کی پرستش کرتی تھی، بت پرست بھی تھی، بڑے بڑے ہیکل انہوں نے تعمیر کیے تھے اور کثیر تعداد میں بت ان میں رکھے ہوئے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خاص طور پر ان آیات میں جو کہ اس سورۂ مبارکہ میں وارد ہوئی ہیں ستارہ پرستی اور سورج پرستی کی مذمت کی اور بڑے ہی دلنشیں پیرائے میں اس بات کو کھول دیا کہ نہ سورج میں کوئی الوہیت ہے اور نہ چاند میں اور نہ ستاروں میں۔ یہ سب ڈوب جانے والے ہیں، ان میں سے کسی کو بھی نہ دوام ہے اور نہ بقا. حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں ان سے کیسے محبت کروں اور ان کو کیسے پوجوں جو بالآخر ڈوب جانے والے ہیں ۔

اور اس کے بعد آتا ہے وہ نعرۂ توحید جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان پر وارد ہوا:

اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (الانعام: ۷۹)

"میں نے تو ہر طرف سے یکسو ہو کر اپنا رخ اس ہستی کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ اور میں ہرگز اس کے ساتھ شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

☆☆☆☆